البقرة: 249

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيكُم بِنَهَرٍ

(پھر جب طالوت فوجیں لے کر نکلے تو انھوں نے کہا: بے شک اللہ تمہیں ایک نہر کے ذریعے سے آزمانے والا ہے)

جب طالوت فوجیں لے کر دشمنوں کا مقابلہ کرنے شہر سے نکل گئے تو انھوں نے فوجیوں سے کہا کہ اللہ تمہیں ایک نہر کے ذریعے سے آزمانے والا ہے۔

⊛ بِالْجُنُودِ ← یہاں "جُنْدْ" (فوج) نہیں کہا بلکہ "جُنُود" (فوجیں) کہا گیا۔ کیونکہ بنی اسرائیل میں کئی قبیلے تھے اور ہر قبیلے میں محدود فوج تھی۔ اور انکے پاس محدود وسائل تھے۔ اور الگ الگ فوج مل کر فوجیں (فوج کی جمع) بنی۔

⊛ فَصَلَ ← (ف ص ل): علیحدہ ہونا اور فاصلہ (دوری) ہونا۔
اِس کا مطلب روانہ ہونا نہیں ہے بلکہ وہ نکل چکے یعنی شہر سے یا انکے گھر سے بہت دور جا چکے تھے۔
اگر کوئی فوج شہر یا سوسائٹی سے بہت ہی دور چلی جائے تو کھانا پینا اور سامان تقریباً ختم ہو جاتا ہے۔ انھیں زندہ رہنے دوبارہ ان چیزوں کا ذخیرہ کرنا پڑتا ہے۔
فَصَلَ کہہ کر بتایا گیا کہ انکا سامان کم بچ گیا تھا کیونکہ وہ شہر سے بہت دور جا چکے تھے۔

جب طالوت اپنے فوجیوں کو لے کر دور نکل گئے تو طالوت نے کہا کہ بے شک اللہ تمہیں ایک نہر سے آزمانے والا ہے۔

⊛ مُبْتَلِيكُمْ ← (آزمانے والا ہے تمہیں): ← یہ مرکب اضافی ہے۔ اسلیے اِس میں زیادہ زور ہے۔ مطلب "اللہ ضرور بضرور تمہیں آزمائے گا۔" ایسے سمجھو یہ آزمائش ہو ہی گئی (Done deal)۔ بالکل گارنٹی دی گئی کہ وہ آزمائے جائینگے۔
⇐ مرکب اضافی میں مضاف الیہ "کُمْ" معرفہ ہے اسلیے مضاف "مُبْتَلِي" بھی معرفہ ہے۔ یعنی یہ کوئی خاص آزمائش ہوگی۔
⇐ اِسی طرح ابتلاء لفظ میں بلاء لفظ سے زیادہ سختی ہوتی ہے۔ اِبْتِلَاء سے اسم فاعل مُبْتَلِي ہے یعنی زیادہ سخت آزمائش ہوگی۔

⊛ بِنَهَرٍ (ایک نہر سے): یہاں "بِالنَّهَرِ" معرفہ (Definite) نہیں آیا ہے بلکہ نکرہ (Indefinite) آیا ہے۔
نکرہ لا کر بتایا گیا کہ انھیں پتہ نہیں کہ وہ کونسی نہر ہے اور یہ بھی پتہ نہیں کہ آگے کوئی نہر بھی ہے۔
اگر معرفہ (بِالنَّهَرِ) میں ہوتا تو وہ اس نہر کو پہلے ہی سے جانتے۔
اِسلیے انھیں ذہنی طور پر پہلے ہی تیار کیا گیا کیونکہ اگر وہ نہر کو دیکھ لیتے تو طالوت کے اعلان کو وہ نہیں سنتے اور ہر کوئی پیاس کے مارے پانی کی طرف لپکتا۔ جس سے افراتفری مچ جاتی۔

فَمَن شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي

(پس جس نے اس سے (سیر ہو کر) پانی پیا وہ مجھ سے نہیں)

اہم بات یہ ہے کہ انکے پاس کھانے پینے وغیرہ کے سامان کی قلت تھی اور پیاس کے باوجود کہا جا رہا ہے کہ نہر دیکھ کر بھی پانی نہیں پینا۔ اگر کوئی اس میں سے (سیر ہو کر) پانی پی لے تو اسکا مجھ سے کوئی تعلق نہیں یعنی اُسے فوج سے نکال دیا جائیگا۔ ویسے بھی اگر کوئی سیر ہو کر کچھ کھائے پیئے تو وہ سست ہو جاتا ہے۔ نیند آنے لگتی ہے۔ پھر وہ لڑنے کے قابل نہیں ہوتے۔
اِسی طرح یہ دراصل انکی تربیت کا ایک حصہ تھا کیونکہ جنگ میں کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ فوجی بھوک، پیاس اور دوسرے مشکلات پر صبر کریں۔

وَمَن لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي

(اور جس نے اسکا پانی نہ چکھا تو یقیناً وہ مجھ سے ہے [میرا ساتھی ہے])

يَطْعَمْهُ: (ط ع م) - عربی زبان میں طعام کھانے کے لیے بولا جاتا ہے، پینے کے لیے نہیں۔ عام زبان میں اسطرح نہیں کہا جاتا: "أَطْعَمْتُهُ شَرَابًا ← میں نے اُسے مشروب کھلایا۔" بلکہ کہا جاتا ہے: "أَسْقَيْتُهُ شَرَابًا ← میں نے اسے مشروب پلایا"۔

الشعراء: 79 ← وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ (اور وہ جو مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے)
طَعَم ← کھانا
سِقَايَة ← پینا (اردو میں بھی ہم پانی یا مشروب پلانے والے کو ساقی کہتے ہیں)

← حالانکہ وہاں کھانے کچھ نہیں تھا۔ کچھ نے کہا کہ انھیں وہاں پانی کے اندر مچھلی مل سکتی تھی اسلیے کھانے کی بات کہی گئی۔ کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ کہے آپ نے تو صرف پانی نہ پینے کی بات کی تھی، کھانے کی بات نہیں کی تھی۔
← اور کسی نے کہا کہ کم سے کم چکھنے کے لیے بھی طعم کہا جاتا ہے۔ یعنی اتنا چکھنا کہ انکے منہ میں پانی کا ذائقہ محسوس نہ ہو۔
← اور بعض نے کہا کہ طَعَم (کھانا) یہ شَرِب (پینے) کے معنی میں ہے۔ واللہ اعلم

طالوت نے کہا کہ جس نے اس نہر کا پانی نہیں چکھا تو وہ بے شک مجھ سے ہے۔ وہ میرے ساتھ چل سکتا ہے۔ اُسے فوج سے نکالا نہیں جائیگا۔
جب جنگ بدر ہوئی تھی تب 27 رمضان تھا۔ اس وقت بھی مسلمان روزے سے تھے اور یہاں طالوت نے فوجیوں کو بھی کچھ کھانے پینے سے منع کیا۔ یعنی جنگ سے پہلے روزے میں تھے۔

إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ

(ہاں! کوئی اپنے ہاتھ سے ایک آدھ چلو بھر لے [تو حرج نہیں])

⊛ غُرْفَةً: (چُلّو بھر) - اِسی طرح یہ مصدر مَرَّة ہے اسلیے معنی ہوگا "ایک چُلّو" ایک چلو سے زیادہ نہیں۔
اُس چلو بھر پانی میں بھی اللہ برکت ڈال دے گا۔ اس سے انکی پیاس بجھ جائیگی کیونکہ یہ اللہ کی طرف سے امتحان تھا۔

فَشَرِبُوا مِنْهُ

(تو انھوں نے اس [نہر] سے پی لیا)

⊛ یہ نہیں کہا "فَلَمَّا شَرِبُوا" پھر جب انھوں نے پیا لیکن پہلے سوچا پھر انھوں نے پیا بلکہ فَشَرِبُوا (پھر انھوں نے پیا) بلاغہ میں "فَ" یہ فوراً کے لیے آتا ہے۔ اِسی طرح ثُمَّ شَرِبُوا (پھر انھوں نے پیا) یا وَشَرِبُوا (اور انھوں نے پیا) نہیں کہا گیا۔ "فَ" یہ ثُمَّ یا وَ سے زیادہ جلدی کے معنی میں آتا ہے۔ یعنی نہر دیکھتے ہی فوراً پانی کی طرف لپک کر پانی پی لیا۔

إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ

(مگر بہت تھوڑے ان میں سے [جنھوں نے پانی نہیں پیا])

فوجیوں میں اکثر نے پیٹ بھر کر پانی پی لیا۔ وہ صبر نہ کر سکے۔ بہت ہی کم لوگوں نے صبر کیا اور پیاس کے باوجود پانی نہیں پیا اور اگر پیا تو صرف چلو بھر۔ کچھ روایات میں آتا ہے کہ شروعات میں طالوت کے فوج کی تعداد ستر ہزار اور بعض نے کہا اسّی ہزار اور بعض نے کہا ایک لاکھ بیس ہزار تھی۔
آیت 243 میں کہا گیا تھا کہ اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔ اب اِس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ صبر کرنے والے بھی کم ہیں۔ شکر اور صبر کرنے والوں کی تعداد بہت ہی کم ہیں۔

فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ

(پھر جب وہ [طالوت] اور جو اسکے ساتھ ایمان لائے تھے اُسے [نہر کو] پار کیا، انھوں نے کہا آج ہمیں طاقت نہیں جالوت اور اسکے فوجیوں کے ساتھ [مقابلہ کی])

روایات میں آتا ہے کہ جنھوں نے نہر پار کیے انکی تعداد جنگِ بدر والوں کے برابر تھی یعنی تین سو تیرہ یا اسکے لگ بھگ تھی۔

⊛ لَا طَاقَةَ ← (نہیں کوئی طاقت): لَا ← لا نافیہ لِلْجِنْس (لَا کے بعد والا اسم منصوب ہے اور غیرِ مُنَوَّن [بغیر تنوین کے] ہے)۔ اسلیے اسکا مطلب یہ ہوگا کہ "بالکل بالکل بھی کوئی طاقت نہیں ہے"۔

جالوت کی بھی کئی فوجیں تھیں اسی لیے جُنُودِهِ (اسکی فوجیں) کہا گیا۔ بہرحال۔ جالوت اور اسکے لشکروں کے مقابلے ایمان والوں کو خوف آ گیا کیونکہ وہ تعداد میں بھی زیادہ تھے اور وسائل بھی انکے پاس زیادہ تھے۔ اسرائیلی روایات میں آتا ہے کہ خود جالوت پوری طرح لوہے میں ڈوبا ہوا تھا۔ صرف اسکی آنکھیں اور چہرے کا کچھ حصہ ننگا تھا۔ یہ خوف فطری ہے۔ یہ ایمان کے منافی نہیں ہے۔ موسیٰؑ نے بھی جب عصا کو سانپ بنتے دیکھا تو انھیں خوف ہوا۔ اسی طرح کچھ صحابہ کے بارے میں ہے
مفہوم بخاری: - جنگ احد کے موقع پر جب عبد اللہ بن اُبی تین سو ساتھیوں سمیت واپس چلا گیا تو انصار کے دو قبیلوں بنو حارثہ اور بنو سلمہ کے دلوں میں کمزوری واقع ہوئی اور کفار کے مقابلہ میں مسلمانوں کی قلیل تعداد دیکھ کر دل چھوڑنے لگے مگر چونکہ سچے مسلمان تھے اسلیے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو مضبوط کر دیا۔ جابر بن عبد اللہ انصاری آل عمران: 122 کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ آیت ہم انصار کے حق میں اتری۔ اگرچہ اس میں ہمارا عیب بیان کیا گیا ہے لیکن ہمیں یہ پسند نہیں کہ یہ آیت نازل نہ ہوتی۔ کیونکہ اِس میں وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا (اللہ دونوں فرقوں کا مددگار تھا) کے الفاظ بھی ذکر کیے گئے ہیں۔ [اِسی طرح اس آیت میں طَائِفَتَانِ مِنكُمْ (تم (مسلمان) میں سے دو گروہ) کہا گیا ہے۔ یعنی وہ بھی اہل ایمان ہی میں سے تھے۔]
انصار کسان تھے اسلیے انھیں جنگ کے بارے میں اتنا تجربہ نہیں تھا۔ ویسے بھی جنگ کے میدان میں ایک عجیب دہشت کا ماحول ہوتا ہے۔
جنگ سے پہلے انسان کی نیت بھی ہوتی ہے کہ اُسے اللہ کے راستے میں لڑنا ہے۔ اُسے اللہ کے راستے میں شہید ہونا ہے لیکن جب میدانِ جنگ میں انسان آتا ہے تو فطری طور پر ایک خوف اور دہشت ہونے لگتی ہے۔ اور خاص کر اس وقت جب دشمنوں کی تعداد اور دشمنوں کے پاس وسائل زیادہ ہو۔
اِس قصے کو ذکر کر کے مسلمانوں کو تیار کیا جا رہا ہے کہ اسطرح حالات ہو سکتے ہیں اور یہ آیات جنگِ بدر سے پہلے نازل ہوئی تھیں۔ انکے لیے سبق تھا کہ کسی بھی جنگ میں اگر کوئی خوفزدہ ہو تو تم اس پر دھیان نہ کرنا۔ اگر کوئی ایک شخص بھی خوفزدہ ہو یا اسطرح کی بات جیسے "ہم میں کوئی طاقت نہیں لڑنے کی" کرے تو سارے سننے والے لوگ بھی ہمت ہار جاتے ہیں۔
یہ انسانی نفسیات (Human psychology) ہے کہ اگر گروپ میں کوئی کام کر رہا ہو اور اس میں سے ایک شخص بھی کہے کہ یہ کام بہت ہی مشکل ہے تو دوسرے بھی ویسے ہی سمجھنا شروع کرتے ہیں اور اگر کوئی وہ کام کو مکمل کرنے پر بھی پہنچا ہو تو وہ بھی اُسے مشکل سمجھنے لگتا ہے اور اس کام کو چھوڑ دیتا ہے۔ جسکی وجہ سے کسی میں حوصلہ نہیں ہوتا کہ وہ کام مکمل کرے۔
اللہ یہاں سکھا رہے ہیں کہ اگر اسطرح ہو تو کیا کرے کہ سبھی میں ہمت اور جوش آئے۔ انکی کسطرح تربیت کر کے صحیح راستے پر لایا جائے۔ اُن میں حوصلہ افزائی (Motivation) کیسی کی جائے۔ اجتماعی کام کے لیے حوصلہ افزائی کی بہت ہی ضرورت ہوتی ہے۔ اِسکے لیے بہت ہی احتیاط کر کے ایسی بات کہے جو دل پر اثر انداز ہو۔ اِسلیے آگے فرمایا:

قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلَاقُو اللّٰهِ كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ

(وہ لوگ جو اِس بات کا یقین رکھتے تھے کہ بے شک وہ اللہ سے ملنے والے ہیں، انھوں نے کہا: کئی بار چھوٹی سی جماعت اللہ کے حکم سے بڑی جماعت پر غالب آئی ہے)

اہل ایمان میں بھی درجات ہوتے ہیں۔ کسی کا ایمان بہت ہی زیادہ مضبوط ہوتا ہے۔
جن کا ایمان مضبوط تھا (بعض نے کہا وہ انکے علماء تھے) انھوں نے ہمت ہارنے والوں کی حوصلہ افزائی کرنی شروع کی۔ انھوں نے ایسی بات کہی جو دل پر اثر کر گئی۔

⊛ كَم مِّن فِئَةٍ (کتنی ہی جماعتیں) - یہاں مِن زائد ہے - یہ زور دینے کے لیے ہوتا ہے - یعنی کتنی ہی جماعتیں۔
انھوں نے کہا کہ کئی بار چھوٹی اور تھوڑی سی جماعتیں بڑی اور بہت سی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غالب آئی۔
اسلیے تعداد کو نہیں دیکھنا چاہیے بلکہ اللہ کی مدد پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ اللہ کا اذن ہوگا تو بڑی تعداد والے اللہ کی مدد سے ہار جائینگے۔ اور یہ کئی بار ہو چکا ہے۔ اور نبیؐ اور صحابہؓ کو بھی یہ بتایا جا رہا ہے کہ تمہارے ساتھ بھی اللہ کی مدد رہیگی۔ اور واقعی کئی جنگیں ایسی تھی جس میں مسلمانوں کی تعداد کے ساتھ وسائل بھی کم ہونے کے باوجود مسلمانوں کو ہی فتح حاصل ہوئی۔

لَا طَاقَةَ لَنَا (ہم میں کوئی طاقت نہیں [مقابلہ کی]) کہنے سے فوجیوں کے حوصلے پست ہو گئے لیکن جب مضبوط ایمان والوں نے جوابی تقریر (Counter Speech) دی تو فوجی جوش میں آ گئے۔ اسلیے الفاظ ایسے استعمال کرنے چاہیے جو دل میں اثر کر جائے اور دوسروں کے حوصلوں کو ابھارے۔
ماضی میں جب فوجیوں کو تیار کیا جاتا تھا تو انھیں نشانہ بازی، تلوار چلانا، گھوڑا سواری، تیراکی (Swimming) اور بھی کئی چیزیں سکھائے تھے لیکن اسکے ساتھ انھیں اثر انداز جوشیلے تقریر کرنے بھی سکھایا جاتا تھا۔ ایسی تقریر کرتے تھے کہ سبھی پُرجوش ہو کر دشمن پر حملہ کرتے تھے کہ آج ہمیں دشمن کو چھوڑنا نہیں ہے۔

وَاللّٰهُ مَعَ الصَّابِرِينَ

(اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔)

ایسے مشکل حالات میں بھی جمے رہنے والوں کے ساتھ اللہ ہے۔ جو لوگ ہر حال میں ہمت نہ ہارنے والے ہوتے ہیں وہ صابرین ہیں۔ صبر صرف مشکل حالات ہی میں نہیں بلکہ خوشحالی میں بھی کرتے ہیں۔ جیسے اگر کوئی بہت زیادہ خوش ہو تو چاہتا ہے کہ وہ شور مچائے، ناچے اور گائے لیکن اس پر بھی وہ صبر کر کے خاموش ہوتے ہیں۔ صبر میں اپنے جذبات کو کنٹرول کرنا ہوتا ہے۔

⊛ سورۃ البقرۃ میں شروعات میں بنی اسرائیل کی بات کی گئی تھی پھر کچھ مسائل پر بات کی گئی۔ اس کے بعد دوبارہ بنی اسرائیل ہی کے قصے کے بارے میں یہاں بتایا جا رہا ہے۔ شروعات کے حصے میں ان پر تنقید تھی لیکن یہاں انکے ان لوگوں کی تعریف کی گئی جو مشکل حالات میں جمے رہے اور صبر کئے۔ اسلیے کسی نے کہا کہ یہ قصہ وہاں بیان نہیں کیا گیا بلکہ آخر میں الگ سے بیان کیا گیا۔ واللہ اعلم۔